تدبرِ قرآن

۱۵
الحِجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود

پچھلی سورہ کے آخر میں کفار کے لیے جو تہدید و وعید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو تسکین و تسلی مجمل الفاظ میں وارد ہوئی ہے وہ اس سورہ میں بالکل سامنے آگئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ قرآن بجائے خود ایک واضح حجت ہے۔ اگر یہ لوگ اس کو نہیں مان رہے ہیں، تمھیں خبطی اور دیوانہ کہتے ہیں، مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان پر فرشتے اتارے جائیں تب یہ مانیں گے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ہمیشہ سے رسولوں کے جھٹلانے والوں کی یہی روش رہی ہے، اگر ان کے مطالبہ کے مطابق ان کو معجزے دکھا بھی دیے گئے جب بھی یہ ہٹ سے باز آنے والے نہیں ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑو، وہ وقت آئے گا جب یہ آرزوئیں کریں گے کہ کاش پیغمبرؐ اور قرآن کی دعوت قبول کرکے مومن و مسلم بنے ہوتے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۱۵) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین و تسلی کہ یہ قرآن بجائے خود ایک واضح حجت ہے، یہ کسی خارجی نشانی یا کسی معجزے کا محتاج نہیں ہے۔ جو لوگ اس کو آج جھٹلا رہے ہیں وقت آئے گا جب وہ اپنی بدبختی پر ماتم کریں گے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑو، یہ چند دن اپنی خود فراموشیوں میں مگن رہ لیں۔ اس قوم کی ہلاکت کے لیے خدا کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت پورا ہو جائے گا خدا کا عذاب آجائے گا۔ یہ خدا کے فرشتوں کے ظہور کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ فرشتے تو جب آتے ہیں خدا کا فیصلہ لے کر ہی آتے ہیں اس کے بعد کسی قوم کو مہلت نہیں ملا کرتی۔ اگر یہ لوگ اس قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں تو اس کی پروا نہ کرو، خدا اس کی حفاظت کا خود سامان کرے گا۔ یہی روش ان سے پہلے کی قوموں نے اختیار کی تو وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔ وہی حشر ان کا بھی ہونا ہے۔ یہ اطمینان رکھو کہ ان کو کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی قائل کرنے والا نہیں بن سکتا۔ وہ اس کو دیکھ کر بھی کوئی نہ کوئی بات بنا ہی لیں گے۔

(۱۶-۲۵) قرآن کی دعوت کی صداقت کی جو نشانیاں آفاق میں موجود ہیں ان کی یاددہانی۔ آسمان اور اس کے چمکتے ہوئے تارے، زمین اور اس کی نوع بنوع پیداواریں، ہوائیں اور ان کی ابر خیزیاں۔ ان عجائب قدرت

کے مشاہدے سے وہ سبق کیوں نہیں حاصل کرتے؟ ان نشانیوں کے ہوتے کسی معجزے کے ظاہر ہونے کی کیا ضرورت باقی رہی؟

(۲۶-۴۸) آدمؑ اور ابلیس کے ابتدائی ماجرے کی یاددہانی جس سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ کفار کی گمراہی کا اصل مصدر کیا ہے اور ابلیس کی ذریات نے ان کو جس ضلالت میں پھنسایا ہے بالآخر اس کا انجام کیا ہونا ہے۔ نیز شیطان کے فتنوں سے محفوظ رہنے والے متقین کی فوز و فلاح کی طرف ایک اجمالی اشارہ۔

(۴۹-۷۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کے واقعہ کی یاددہانی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا اپنے بندوں پر بڑا مہربان بھی ہے اور ان پر دردناک عذاب لانے والا بھی۔ وہی فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے لیے بیٹے کی بشارت لے کر آئے اور وہی فرشتے قوم لوط کے لیے صاعقۂ عذاب بن کر نمودار ہوئے۔ آخر میں کفار کو توجہ دلائی گئی ہے کہ تم لوط کی بستیوں پر سے آئے دن گزرتے ہو، اگر دیدۂ بینا رکھتے ہو تو ان کے انجام سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ تم پیغمبر سے فرشتوں کے ظہور کے لیے مطالبہ کر رہے ہو۔ فرشتے تو جب مکذبین کے پاس آتے ہیں تو اسی طرح آتے ہیں جس طرح قوم لوط کے پاس آئے کہ ان کے آنے کے بعد ان پر عذاب الٰہی آدھمکا۔

(۷۸-۸۴) قوم شعیبؑ اور قوم ثمود کے انجام کی طرف اجمالی اشارہ۔ قوم لوطؑ کی طرح قوم شعیبؑ اور قوم ثمود کے آثار پر سے بھی قریش کو اپنے تجارتی سفروں میں گزرنے کا موقع ملتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دیدۂ بینا ہو تو قدم قدم پر مفسدین کے انجام کے آثار موجود ہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جب اپنے ہی اوپر سب کچھ نازل ہو جائے تب ہی آنکھیں کھلیں۔

(۸۵-۹۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین و تسلی کہ ابھی خوبصورتی کے ساتھ ان لوگوں سے درگزر کرو۔ ان کے کیے کا سارا انجام ان کے سامنے آجائے گا۔ خدا نے قرآن عظیم کی شکل میں جو دولت گرانمایہ تمھیں بخشی ہے وہ تمھارے لیے کافی ہے۔ اس کے ہوتے تمھیں کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ ان کے طعنوں کی تم کچھ پروا نہ کرو، خدا کی تسبیح اور نماز میں مشغول رہو۔ صبح یقین طلوع ہوا ہی چاہتی ہے۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ (۱۵)

مَكِّيَّةٌ ——— اٰيَاتُهَا ۹۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اٰیات ۱ - ۱۵

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ
الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا
كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾
وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ
مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ
الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾
كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ
خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ
فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ
قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع

ع ۱ ۵ ۱

ترجمۂ آیات ۱ - ۱۵

یہ الف، لام، را ہے۔ یہ کتاب الٰہی اور ایک واضح قرآن کی آیات ہیں۔ وہ وقت آئیں گے جب یہ لوگ، جنھوں نے کفر کیا ہے، تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلم بنے ہوتے۔ ان کو چھوڑو، کھا پی لیں، عیش کر لیں اور آرزوؤں میں مگن رہ لیں۔ عنقریب یہ جان لیں گے۔ ہم نے جس قوم کو بھی ہلاک کیا ہے اس کے لیے ایک معین نوشتہ رہا ہے۔ کوئی قوم نہ اپنی مدت مقررہ سے آگے بڑھتی نہ پیچھے ہٹتی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر یاددہانی اتاری گئی ہے تم تو ایک خبطی ہو، اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؛ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر فیصلہ کے ساتھ اور اس وقت ان کو مہلت نہیں ملے گی۔ یہ یاددہانی ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے بھی اگلے گروہوں میں اپنے رسول بھیجے تو جو رسول بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے۔ ہم مجرموں کے دلوں میں اس کو اسی طرح اتارتے ہیں۔ یہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور اگلوں کی سنت گزر چکی ہے۔ اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے جس میں وہ چڑھنے لگتے تب بھی یہی کہتے کہ ہماری آنکھیں مدہوش کر دی گئی ہیں بلکہ ہم سب پر جادو کر دیا گیا ہے۔ ۱ - ۱۵

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (۱)

قرآن اپنی صداقت کی خود دلیل ہے

حروف مقطعات پر ایک جامع بحث ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں کر چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک 'الٓرٰ' اس سورہ کا قرآنی نام ہے اور 'تلک' کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔ لفظ 'الکتاب' پر بھی ہم بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بحث کر چکے ہیں۔ اس سے مراد وہ خدا کی کتاب ہے جس کے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور جس کی پچھلے نبیوں نے خبر دی تھی۔ قرآن کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کلام جو ان کو سنایا جا رہا ہے یہ کتاب الٰہی اور ایک واضح قرآن کی آیات پر مشتمل ہے۔ یہ اپنی صداقت کی دلیل خود

اپنے اندر رکھتا ہے، کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ اس کو نہیں مان رہے ہیں، اس کی صداقت کو جانچنے کے لیے معجزوں کی فرمائش کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اپنی شامت کو دعوت دے رہے ہیں۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (۲)

یعنی آج تو یہ لوگ، غرور و رعونت کے ساتھ اس کتاب کا انکار کر رہے ہیں لیکن آگے ایسے وقت آئیں گے اور بار بار آئیں گے جب یہ تمنائیں کریں گے کہ کاش اس کتاب کو قبول کر کے مسلمان بنے ہوتے کہ ان ہولناک نتائج سے محفوظ رہتے۔ یہ مضمون سورہ ابراہیم آیت ۴۴ میں بھی گزر چکا ہے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (۳)

یعنی اگر یہ اپنی سرمستیوں میں گم ہیں، تم کو اور تمھاری دعوت کو (خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے) خاطر میں نہیں لا رہے ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، چند دن یہ کھا پی لیں، مزے کر لیں اور لذیذ آرزوؤں کے خواب دیکھ لیں، عنقریب وہ وقت آیا چاہتا ہے جب یہ اپنی سرمستی کا انجام خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ (۴-۵)

عذابِ الٰہی کے مؤخر ہونے کی وجہ

یہ وجہ بیان ہوئی ہے عذاب کے مؤخر ہونے کی۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے مطالبہ کے باوجود ان پر عذاب جو نہیں آ رہا ہے تو یہ تاخیر اللہ تعالیٰ کی ایک سنت پر مبنی ہے۔ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ وہ کسی قوم پر عذاب بھیجنے سے پہلے اس پر اپنی حجت تمام کرتا ہے۔ اس اتمامِ حجت کے بعد بھی اگر وہ قوم اپنی سرکشی سے باز نہیں آتی تو لازماً وہ اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ اتمامِ حجت اور اخلاقی زوال کی وہ حد جس پر پہنچ کر کوئی قوم مستحق عذاب ہو جاتی ہے ایک خدائی نوشتہ میں مرقوم ہے۔ جب اس نوشتہ کی مدت پوری ہو جاتی ہے، قوم ہلاک کر دی جاتی ہے۔ سرمو اس میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ نہ اس میں تقدیم ہوتی نہ تاخیر۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۶-۷)

آنحضرت پر کفار کا طعن اور اس کا جواب

کفار آنحضرت صلعم کو طنزیہ انداز میں خطاب کر کے کہتے کہ اے وہ شخص جو مدعی ہے کہ اس پر خدا کی طرف سے ہمارے لیے یاددہانی اتری ہے تم تو ہمیں ایک خبطی معلوم ہوتے ہو کہ ہمیں تو عذاب کی دھمکی سنا رہے ہو اور اپنے لیے فوز و فلاح کے مدعی ہو درآنحالیکہ ہمارے حالات تمھارے اور تمھارے ساتھیوں کے حالات سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ اگر ہم خدا کے مبغوض و مقہور ہیں اور تم خدا کے محبوب و منظورِ نظر ہو تو ہم کو یہ نعمتیں کیوں ملی ہوئی ہیں اور تم ان سے کیوں محروم ہو؟ یہ صورت حال تو صاف ظاہر کرتی ہے کہ تم ایک خبطی آدمی ہو اور

خبطیوں کی سی باتیں کر رہے ہو اور یہ بھی تمھارا ایک خبط ہی ہے کہ تم مدعی ہو کہ تمھارے پاس فرشتہ آتا ہے۔ اگر فرشتے آتے ہیں اور تم اس دعوے میں سچے ہو تو ان فرشتوں کو تم ہمارے پاس کیوں نہیں لاتے کہ ہم بھی ذرا دیکھیں اور سنیں کہ وہ کیسے ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ آخر تمھیں ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں کہ وہ تمھارے پاس تو آتے ہیں اور ہمارے پاس نہیں آتے۔

'لَوْمَا تَاْتِیْنَا' میں 'لَوْمَا' ابھارنے، اکسانے یا مطالبہ کرنے کے مفہوم میں ہے یعنی کیوں نہیں ایسا کرتے۔ کلام عرب اور قرآن مجید میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (۸)

یہ مذکورہ بالا مطالبہ کا جواب ہے۔ 'حق' کے معنی یہاں فیصلہ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی عقل اور سمجھ سے کام لیں اور آفاق و انفس میں جو نشانیاں موجود ہیں اور جن کی طرف قرآن توجہ دلا رہا ہے ان پر غور کریں اور ان کی روشنی میں ایمان لائیں۔ ایمان لانے کے لیے فرشتوں کے اتارے جانے کا مطالبہ نہ کریں۔ فرشتے تو ہم لوگوں پر صرف اس وقت بھیجتے ہیں جب لوگ اندھے بہرے بن جاتے اور عذاب کے سوا ان کے لیے کوئی اور چیز باقی رہ ہی نہیں جاتی۔ اس وقت فرشتے خدا کا فیصلہ لے کر آتے ہیں اور وہ قوم نیست و نابود کر دی جاتی ہے اس کے بعد کسی کو مہلت نہیں ملتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۹)

قرآن کی حفاظت کا ذمہ دار خود خدا ہے

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پرزور الفاظ میں تسکین و تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ (قریش) اس قرآن عظیم کی قدر نہیں کر رہے ہیں تو تم اس کا غم نہ کرو۔ یہ کتاب، تمھاری طرف سے کسی طلب و تمنا کے بغیر، ہم ہی نے تم پر اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر یہ لوگ اس کو رد کر رہے ہیں تو رد کر دیں، خدا اس کے لیے دوسروں کو کھڑا کر دے گا جو اس کو قبول کریں گے اور اس کی دعوت و حفاظت، کی راہ میں کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ یہی مضمون سورۂ انعام میں یوں بیان ہوا ہے۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ۔ ۸۹۔ انعام (اگر یہ لوگ اس کا انکار کر دیں تو تم اس کا غم نہ کرو ہم نے اس پر ایسے لوگوں کو مامور کر رکھا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں) مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اس کو قبول کرتے ہیں تو اس میں ان کی اپنی ہی دنیا و آخرت کی سعادت ہے، اور اگر یہ اپنی بدقسمتی اور شامت اعمال سے اس کو رد کر دیتے ہیں تو دوسرے اس کے قبول کرنے کے لیے آگے بڑھیں گے۔ چنانچہ جب قریش نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انصار کے سینے اس کے لیے کھول دیے، انھوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی حفاظت کی راہ میں کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔

'اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا' میں حصر و حصر کا جو مضمون پایا جاتا ہے اس سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ یہ کتاب تم نے ہم سے مانگ کے تو لی نہیں ہے کہ تم پر لوگوں سے اس کو قبول کروانے کی ذمہ داری ہو۔ تم

پر ذمہ داری صرف تبلیغ و دعوت کی ہے، تم اس کو ادا کر دو۔ رہا اس کتاب کی حفاظت اور اس کے قیام و بقا کا مسئلہ تو یہ ہم سے متعلق ہے، اس کی حفاظت اور اس کے قیام و بقا کا انتظام ہم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کن کن شکلوں میں پورا فرمایا، تاریخ میں اس سوال کا پورا جواب موجود ہے۔ اس تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ (۱۰-۱۳)

انبیاء کی سرگزشتوں کا حوالہ

تسکین و تسلی کے مضمون کو مزید مؤکد و مبرہن کرنے کے لیے یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سرگزشتوں کا حوالہ ہے کہ آج اپنی قوم کی طرف سے جو تجربہ تمھیں ہو رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم نے تم سے پہلے بھی جو رسول پچھلی قوموں میں بھیجے انھیں بھی اپنی اپنی قوموں کی طرف سے انھی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ جس طرح آج تمھارا مذاق اڑایا جا رہا ہے اسی طرح تم سے پہلے آنے والے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ اللہ کے رسولوں کی دعوت چیز ہی ایسی ہے کہ نافرمانیوں میں ڈوبے ہوئے مجرمین اس کو ٹھنڈے پیٹوں نہیں برداشت کرتے۔ یہ چیز ان کو تیر و نشتر کی طرح چبھتی ہے اور وہ اس کو اگلنے کے لیے زور لگاتے ہیں۔ چنانچہ یہ تمھاری قوم کے لوگ بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ وہی روش انھوں نے اختیار کی ہے جو ان کے پیشروؤں نے اختیار کی اور لازماً اسی انجام سے بھی دوچار ہوں گے جس سے ان کے پیش رو دوچار ہوئے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (۱۴-۱۵)

منکرین کے انکار کا اصل سبب

یعنی فرشتوں کا اتارا جانا تو الگ رہا اگر ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے لگ جائیں جب بھی وہ ایمان نہ لانے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کر ہی لیں گے۔ کہیں گے ہماری نگاہیں خیرہ کر دی گئی ہیں اور ہماری پوری قوم، مردوں اور عورتوں سب پر جادو کر دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کا اصل سبب یہ نہیں ہے کہ ان کی طلب کے مطابق ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا جا رہا ہے بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور اپنے مزعومات میں کوئی تبدیلی قبول کرنے اور استکبار کے سبب سے پیغمبر کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۲۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۱۶-۲۵

آفاق و انفس کی نشانیوں کی طرف اشارہ

آگے ان نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو آفاق و انفس اور آسمان و زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان باتوں کی تصدیق کرتی ہیں جن کی پیغمبر دعوت دے رہے ہیں۔ مقصد ان نشانیوں کے ذکر سے یہ ہے کہ قدرت کے معجزات کے ہوتے ہوئے کسی نئے معجزے کی ضرورت کہاں باقی رہی، دیکھنے والی آنکھیں اور

سوچنے والے دماغ ہوں تو ایک ایک پتہ معرفت کردگار کا دفتر ہے۔

آیات ۱۶-۲۵

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

ع ۲

ترجمہ آیات ۱۶-۲۵

اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس کو مزین کیا اور ہر شیطان مردود کی دراندازی سے اس کو محفوظ کیا۔ اگر کوئی سن گن لینے کے لیے چوری چھپے کان لگاتا ہے تو ایک دمکتا شہاب اس کا تعاقب کرتا ہے۔ ۱۶-۱۸

اور زمین کو ہم نے بچھایا اور ہم نے اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر قسم کی چیزیں تناسب کے ساتھ اگائیں اور ہم نے اس میں تمھاری معیشت کے سامان بھی رکھے اور ان کی معیشت کے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔ اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں لیکن ہم اس کو ایک معین اندازے کے ساتھ ہی اتارتے ہیں۔ ۱۹-۲۱

اور ہم ہی ہواؤں کو بار آور بنا کر چلاتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے اور تم کو اس سے سیراب کرتے ہیں اور یہ تمھارے بس میں نہ تھا کہ تم اس کے ذخیرے جمع کر کے رکھتے۔ ۲۲

اور بے شک یہ ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کو بھی جانتے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں اور بے شک تمھارا خداوند ہی ہے جو ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔ ۲۳-۲۵

۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ہ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ہ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ (۱۶-۱۸)

آسمانی نشانیوں کی طرف اشارہ — شہاب ثاقب کا کام

'بروج' کے معنی قلعہ اور محل کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ آسمانی قلعے ہیں جو خدا نے آسمانوں میں بنائے ہیں، جن میں اس کے ملائکہ اور کرو بیوں کی فوجیں برابر مامور رہتی اور ان حدود اور دائروں کی نگرانی کرتی ہیں جن سے آگے بڑھنے کی اجازت، نہ شیاطین انس کو ہے اور نہ شیاطین جن کو اور اگر کوئی شیطان ملاء اعلیٰ کی باتوں کی کچھ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک دمکتا شہاب اس کا تعاقب کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک قلعہ کی برجیوں پر مامور سپاہی دشمن کے آدمیوں پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں، کسی اجنبی کو اپنے حدود کے اندر لانگنے کا موقع نہیں دیتے، اسی طرح خدا کے مامور ملائکہ ان شیاطین جن کو شہاب ثاقب کا نشانہ بناتے ہیں جو ان کے حدود میں ٹوہ لگانے کے لیے دراندازی کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے ضمناً اس کہانت کی بالکل بنیاد ہی ڈھے جاتی ہے جس کا عہد جاہلیت میں بڑا رواج تھا اور جس کی آڑ میں کاہن لوگ غیب دانی کے دعوے کر کے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بناتے تھے۔ قرآن نے یہ واضح کر دیا کہ ملاء اعلیٰ کے دائروں تک شیاطین کو رسائی حاصل نہیں ہے اور اگر وہ چوری چھپے کان لگانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ شہاب کی سنگباری کا ہدف بنتے ہیں۔ اسی پہلو سے یہاں شیطان کی صفت 'رجیم' آئی ہے اس لیے کہ 'رجیم' کے معنی سنگ سار کردہ کے ہیں اور لفظ 'کل' اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ بڑے سے بڑا شیطان بھی بہرحال خدا کے محفوظ کیے ہوئے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جس چیز کو عرفِ عام میں ستاروں کا ٹوٹنا کہتے ہیں موجودہ سائنس اس کی جو توجیہ بھی کرے اس سے قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کی تردید نہیں ہوتی اس لیے کہ سائنس کی رسائی کسی چیز کے صرف ظاہری اسباب و علل ہی تک ہے۔ قدرتِ الٰہی ان شہابوں سے کیا کیا کام لیتی ہے یہ بتانا سائنس کے بس سے باہر ہے۔ اس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتا ہے اور اس کی باتوں کو جاننے کا واحد ذریعہ وحیِ الٰہی اور قرآن ہے۔

یہ مضمون یہاں ضمناً آگیا ہے۔ آیت کا اصل مقصود، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، آسمان و زمین کی ان نشانیوں کی طرف توجہ دلانا ہے جو اس کائنات کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر نشانی ان باتوں کی تصدیق کر رہی ہے جن کی قرآن اور پیغمبر خبر دے رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن کے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے ان کے لیے تو آسمان بھی نشانیوں سے معمور ہے اور زمین بھی لیکن جن کی آنکھیں بند ہیں وہ ان نشانیوں سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے معجزوں کے مطالبے کرتے ہیں اور اگر کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو دکھا دیا جائے جب بھی جیسا کہ اوپر اشارہ فرمایا، یہ اندھے ہی بنے رہیں گے۔

نظمِ کلام کے پہلو سے یہاں خاص توجہ وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ کے ٹکڑے پر ہونی چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوں تو اس کے لیے اس دنیا میں معجزات کی کمی نہیں ہے۔ وہ آسمان کو دیکھے۔ قدرت نے اس کو ستاروں اور سیاروں، چاند اور سورج، شفق اور قوسِ قزح اور دوسرے بے شمار گوناگوں و بوقلموں عجائب سے کس طرح سنوارا ہے کہ جس طرف بھی نگاہ اٹھتی ہے انسان حیران و ششدر ہو کے رہ جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل اور کسی اتفاقی حادثہ کے طور پر ظہور میں آجانے والی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک حکیم و علیم اور ایک بے پناہ قدرت و حکمت کے مالک کی بنائی ہوئی دنیا ہے۔ اس کی قدرت و حکمت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ وہ اس کو پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ نہ دے بلکہ یہ لازم ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں وہ سب کو اکٹھا کر کے ان کے اعمال نیک و بد کا حساب کرے اور ان کے اعمال کے مطابق ان کو جزا یا سزا دے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۹)

زمین کی نشانیوں کی طرف اشارہ

آسمان کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد یہ زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی کہ جس طرح آسمان خدا کی نشانیوں سے معمور ہے اسی طرح زمین بھی اس کی نشانیوں سے معمور ہے۔ آسمان اوپر شامیانے کی طرح، چمکتے ہوئے قمقموں کے ساتھ، تنا ہوا ہے اور زمین نیچے، اپنی گوناگوں و بوقلموں نباتات کے ساتھ، فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے اور یہ خدائے قادر و قیوم ہی کی قدرت و حکمت ہے کہ اس کے اندر اس نے پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے ہیں جو اس کے توازن کو برقرار رکھے ہوئے ہیں ورنہ، جیسا کہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے، یہ ساری مخلوق سمیت کسی ایک جانب کو لڑھک پڑتی۔

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ خدا نے اس

میں جو چیز بھی پیدا کی ہے ایک خاص توازن و تناسب کے ساتھ پیدا کی ہے اور اسی توازن و تناسب کی برکت سے یہ انسان کی رہائش اور تمدن و معیشت کے لیے سازگار ہوئی ہے۔ ورنہ جیسا کہ آگے ارشاد ہوا ہے، خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی بھی کمی نہیں تھی، وہ اگر کسی چیز کو بھی اس کی حد مطلوب و معین سے متجاوز ہو جانے کے لیے چھوڑ دیتا تو اس زمین کا سارا نظام درہم برہم ہو کے رہ جاتا اور انسانوں کے بجائے اس میں کوئی اور ہی مخلوق آباد ہوتی یا یہ بالکل غیر آباد ہو کے رہ جاتی۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرٰزِقِيْنَ (۲۰)

نظام ربوبیت کی طرف اشارہ

اس میں زبان کے معروف قاعدے کے مطابق ایک جگہ حرف جر کو محذوف کر دیا گیا ہے۔ وَمَنْ لَّسْتُمْ دراصل وَلِمَنْ لَّسْتُمْ ہے۔ آسمان و زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام ربوبیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس زمین میں اس نے انسان کے لیے بھی ضرورت کی وہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں جن کا وہ اپنی زندگی کے بقا اور اس کی رفاہیت کے لیے محتاج ہے اور ان چیزوں کے لیے بھی زندگی کا سامان کیا ہے جن کے رزق کی کوئی ذمہ داری انسان پر نہیں ہے اگرچہ وہ انسان کے کام آنے والی ہیں اور انسان مختلف پہلوؤں سے ان سے فائدے اٹھاتا ہے۔

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۱)

توازن و تناسب کی طرف اشارہ

یہ جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، اس توازن و تناسب کی طرف اشارہ ہے جو خالق کائنات کے تمام کاموں میں موجود ہے اور جس کے اوپر ہی اس دنیا کے قیام و بقا کا انحصار ہے۔ خدا کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اس کے پاس ہر چیز کے خزانے موجود ہیں لیکن اس دنیا کا بقا مقتضی ہے کہ ہر چیز ایک تناسب کے ساتھ ظہور میں آئے اس وجہ سے وہ ہر چیز اتنی ہی مقدار میں بھیجتا ہے جتنی مقدار میں اس کا بھیجنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی چیز ذرا اپنی حد مطلوب سے زیادہ ہو جاتی ہے، اور یہ زیادتی بھی جب ہوتی ہے خدا ہی کے حکم سے ہوتی ہے، تو اس کے نتیجہ میں اس دنیا میں بڑی بڑی آفتیں برپا ہو جاتی ہیں۔ یہ ساری باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ دنیا نہ تو کسی اتفاقی حادثہ کے طور پر ظہور میں آ گئی ہیں جیسا کہ ملاحدہ و منکرین سمجھتے ہیں اور نہ یہ مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کی بازیگاہ ہے جیسا کہ مشرکین نے سمجھا ہے۔ چنانچہ سورۃ فرقان کی آیت ۲ میں اجزائے کائنات کے اسی تناسب کو تقدیر کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس تقدیر کو شرک کی نفی اور توحید کی ایک واضح دلیل کی حیثیت سے پیش کیا ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ أَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ (۲۲)

لَقِحَ کے معنی باردار اور حاملہ کرنے کے ہیں۔ اسی سے لَاقِحٌ اور اس کی جمع لَوَاقِحُ ہے یعنی وہ موسمی ہواؤں کو کہتے ہیں جو بادلوں کو باردار کرتی اور بارش کا سبب بنتی ہیں۔

نظام ربوبیت کی مزید وضاحت

اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنی جس ربوبیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ اسی کی مزید وضاحت ہے کہ پانی جو تمھاری

اور تمام جانداروں کی زندگی کا ذریعہ اور تمام اسباب معیشت کو وجود میں لانے کا واسطہ ہے یہ خدا ہی کے حکم اور اسی کی مہربانی سے تمھیں حاصل ہوتا ہے۔ وہی ہے جو موسمی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو جمع اور ان کو باردار کرتی ہیں جن سے تم سیراب ہوتے ہو۔ یہ تمھارے بس میں نہ تھا کہ تم اس پانی کے ذخیرے جمع کر کے رکھ چھوڑتے اور جب ضرورت پڑتی پانی برسا لیتے۔ یہ خدا ہی کا انتظام اور اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمھارے لیے یہ انتظام کر رکھا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ (۲۳)

مذکورہ حقائق کا لازمی تقاضا

اوپر جو باتیں ارشاد ہوئی ہیں یہ ان کا لازمی تقاضا واضح فرمایا گیا ہے کہ ہم ہی زندگی بھی بخشتے ہیں اور ہم ہی موت بھی دیتے ہیں اور ہم ہی ہر چیز کے وارث بھی ہیں۔ جس طرح زندگی اور موت میں کسی کو دخل نہیں ہے اسی طرح زمین اور اہل زمین کی وراثت میں بھی کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ سب کا مرجع و مولیٰ اللہ ہی ہے۔ اگر کسی نے کسی اور سے کوئی امید باندھ رکھی ہے تو یہ محض وہم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (۲۴-۲۵)

یعنی کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اتنی بے شمار مخلوقات کا حساب کتاب کس کے بس کی بات ہے! فرمایا کہ ہم ہی نے سب کو پیدا کیا اور سب کو روزی دی ہے ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو گزر چکے اور ان سے بھی واقف ہیں جو بعد میں آئے یا آئیں گے۔ اللہ ان سب کو اکٹھا کرے گا اور سب کا حساب کرے گا۔ وہ حکیم و علیم ہے۔ اس کے حکیم ہونے کا تقاضا ہے کہ وہ ایک روز جزا و سزا لائے اور اس کے علیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نہ کوئی اس سے اوجھل ہو سکتا اور نہ وہ کسی کے کسی عمل سے بے خبر ہے۔

۴۔ آگے کا مضمون ـــــ آیات ۲۶-۴۸

آدمؑ و ابلیس کے ماجرے کا حوالہ

آگے کی آیات میں آدمؑ اور ابلیس کے ابتدائی ماجرے کا حوالہ دیا ہے۔ مقصود اس حوالہ سے اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ آج جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں اور نہایت غرور و تکبر کے ساتھ خدا کے رسولؐ کی تکذیب کر رہے ہیں ان کے کفر اور تکبر کا اصل سبب یہ نہیں ہے کہ رسولوں کی باتوں کی صداقت ثابت کرنے کے لیے دلیلیں موجود نہیں ہیں یا ان کی طلب کے مطابق ان کو معجزے نہیں دکھائے جا رہے ہیں بلکہ یہ ذریات ابلیس کے اس فریب میں آئے ہوئے لوگ ہیں جس کی دھمکی ابلیس نے اس وقت دی تھی جب اس کو آدمؑ کے سجدہ کا حکم ہوا تھا۔ اس وقت اس نے سجدہ سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر مجھے مہلت دی جائے تو میں آدمؑ کی ساری ذریت کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، صرف وہی لوگ میرے دام فریب سے بچ سکیں گے جو خدا کے مخلص بندے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کی مہلت دی اور فرمایا کہ جا ان میں سے جو تیرے فریب میں آئیں ان کو تو اپنے

ام فریب میں پھنسا، لیکن میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۶-۴۸

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع ۳ ۱۹ ۳

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمۂ آیات ۲۶-۴۸

اور بے شک ہم ہی نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور اس سے پہلے جنوں کو آتش سموم سے پیدا کیا۔ اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اس کو مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک لوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا۔ پوچھا، اے ابلیس، تیرا کیا معاملہ ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دے؟ وہ بولا میں ایک ایسے بشر کو سجدہ کرنے کو تیار نہیں جس کو تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا، یہ بات ہے تو تو یہاں سے نکل کہ تو راندۂ درگاہ ہوا اور روزِ جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے اس دن تک کے لیے مہلت دے دے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا، اچھا، روز معین تک مہلت پانے والوں میں سے، تو بھی ہے۔ بولا، اے رب، چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں زمین میں دنیا کو ان کی نگاہوں میں کھباؤں گا اور ان میں سے تیرے خاص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ فرمایا، یہ ایک سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے۔ میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ بجز ان کے جو گمراہوں میں سے تیرے پیرو بن جائیں اور ان سب کے لیے جہنم ہی موعود ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کے لیے ان کا ایک مخصوص حصہ ہوگا۔ خدا ترس بندے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ رہو ان میں سلامتی کے ساتھ نچنت ہو کر۔ ان کے سینوں کی کدورتیں ہم نکال دیں گے۔ وہ آمنے سامنے بھائی بھائی کی طرح تختوں پر براجمان ہوں گے۔ اس میں نہ تو ان کو کوئی تکان لاحق ہوگی اور نہ وہ اس سے نکالے ہی جائیں گے۔ ۲۶-۴۸

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۲۶)

صلصال کا مفہوم

صَلْصَالٍ، خشک مٹی کو کہتے ہیں جو خشک ہو کر کھنکھنانے لگ جائے۔

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کا مفہوم

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سیاہ اور بدبودار مٹی کو کہتے ہیں۔

انسان کی خلقت کا آغاز

زمین کے تمام جانداروں کی زندگی کا آغاز پانی اور کیچڑ ہی سے ہوا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جن کے لیے یہ چاہا کہ وہ خشکی میں رہیں بسیں ان کے لیے خشک زمین مہیا فرمائی اور اس خشک زمین میں ان کے اندر کی وہ قوتیں اور صلاحیتیں ابھریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت فرمائی تھیں اور جو اپنے نشو و نما کے لیے زمین کے مخصوص ماحول کی محتاج تھیں۔ انسان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ وہ بھی پانی، کیچڑ اور خشک زمین ہی کی ایک مخلوق ہے۔ البتہ اس کو دوسرے جانداروں کے مقابل میں، جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے، یہ امتیاز حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تسویہ فرمایا یعنی ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے اس کو آراستہ کیا جو اس کے مقصد تخلیق کی تکمیل کے لیے ضروری تھیں۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ صرف یہی نہیں فرمایا کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا، جیسا کہ دوسرے مقامات میں ہے، بلکہ اس کے ساتھ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کا اضافہ بھی ہے۔ اس سے مقصود زندگی کے نقطۂ آغاز کی طرف اشارہ بھی کرنا ہے اور اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا بھی کہ جس کی زندگی کا آغاز ایسے حقیر عنصر سے ہوا ہے اس کے لیے یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ اس قادر و قیوم سے اکڑے جس نے اس کو اتنے حقیر عنصر سے پیدا کیا اور پھر اس کو نہایت اعلیٰ صلاحیتوں سے آراستہ کیا۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۲۷)

سَمُوْم، لو کی لپیٹ اور ہوائے گرم کو کہتے ہیں۔

جنات کی خلقت کا آغاز

انسانوں کی خلقت کے بعد یہ جنوں کی خلقت کا پتہ دیا کہ انسانوں سے پہلے اللہ نے جنوں کو پیدا کیا اور ان کی خلقت آگ کے عنصر لطیف یعنی ہوائے گرم سے ہوئی۔

یہ امر یہاں پیش نظر رہے کہ انسان اور جنات کی خلقت کے بیان کرنے سے قرآن کا مقصود اصلی یہاں ان کے عناصر خلقت کا سراغ دینا نہیں ہے بلکہ اصل مقصود انسان اور ابلیس کی اس بنائے مخاصمت کو واضح کرنا ہے جس کا ذکر آگے کی آیات میں آ رہا ہے۔ ابلیس نے، جو جنوں میں سے تھا، اسی خلقت کو اپنی برتری کی دلیل ٹھہرا کر آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا جس کے سبب سے وہ ملعون ہوا اور اس کی یہ ملعونیت اس کی اور آدمؑ کی ذریات میں ایک مستقل وجۂ عناد و حسد بنی اس وجہ سے قرآن نے اس کا حوالہ دیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (۲۸-۲۹)

اب یہ وہ اصل مضمون بیان ہو رہا ہے جس کی تمہید کے طور پر اوپر والی بات بیان ہوئی ہے۔ ہم آدمؑ و ابلیس کے اس ماجرے پر بقرہ آیات ۳۴-۳۸ اور اعراف آیات ۱۱-۲۵ کے تحت پوری وضاحت کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔ یہاں اس کے اعادے میں طوالت ہو گی۔ البتہ ان امور کی طرف ہم یہاں بھی اشارہ کریں گے جو سلسلۂ کلام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔

انسانی شرف کی بنیاد

ان آیات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم آدمؑ کی تخلیق سے پہلے ہی دیا تھا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سجدہ کے اس حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وضاحت بھی تھی کہ یہ سجدہ اس وقت کیا جائے جب میں آدمؑ کا تسویہ یعنی اس کو تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے آراستہ کر لوں اور اس کے اندر اپنی روح پھونک لوں۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو جو کچھ شرف و فضیلت حاصل ہے وہ تمام تر ان قوتوں اور صلاحیتوں اور اس روحِ یزدانی کی بدولت ہے جو اس کو ودیعت ہوئی ہیں۔ اگر انسان ان کی حفاظت کرے اور ان کو ترقی دے تو وہ مسجودِ ملائک ہے اور اگر ان کو برباد کر دے تو پھر وہ نہ صرف ایک حیوان بلکہ حیوانات سے بھی فروتر ہے۔

'وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے اندر ایک نورِ یزدانی (DIVINE SPARK) بھی ودیعت ہوا ہے جو اس کے تمام روحانی کمالات کا سرچشمہ ہے اور اسی کے واسطہ سے وہ خدا سے جڑتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی پوری پوری حفاظت کرے۔ اگر وہ اس کو ضائع کر دے تو وہ ایک بے چراغ گھر ہے جس کے اندر صرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔

فَسَجَدَ الۡمَلٰٓـئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ۙ اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ (۳۰-۳۱)

آدمؑ اور ابلیس کی سرگزشت

تمام فرشتوں اور ان کے حکم میں داخل تمام مخلوقات نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں آدمؑ کو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے، جو جنات میں سے تھا، اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور اس انکار کی وجہ، جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے، اس نے صرف یہ بتائی کہ وہ آگ سے پیدا ہونے کے سبب سے ایک برتر مخلوق ہے تو ایک بشر کو کس طرح سجدہ کر سکتا ہے جو مٹی سے پیدا ہوا اور اس سے فروتر ہے۔

قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ۝ قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ (۳۲-۳۵)

یہ حکم ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں اور جنوں کے لیے ایک امتحان تھا جس میں فرشتے کامیاب رہے لیکن ابلیس جو جنوں میں سے تھا، اپنے غرور و تکبر کے سبب سے اس میں ناکام رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس سرکشی کے جرم میں اس کو ملعون و مردود قرار دے کر وہاں سے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تیرے اوپر یہ لعنت جزا کے دن تک مسلط رہے گی اور اس کے بعد تو اپنے اس جرم کی سزا بھگتے گا۔

قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۝ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ (۳۶-۳۸)

شیطان کی فتنہ سامانیاں

ابلیس اس حکم اخراج اور اس لعنت سے متاثر یا مرعوب ہونے کے بجائے اور زیادہ اکڑ گیا۔ اس نے روز قیامت تک کے لیے مہلت مانگی کہ اس کو موقع دیا جائے کہ وہ آدمؑ اور ان کی ذریات کو اپنے فتنوں میں مبتلا کر کے یہ ثابت کر دے کہ یہ اس شرف کے اہل نہیں ہیں جو ان کو بخشا گیا ہے اور ان کو سجدہ نہ کرنے کے معاملے میں وہ بالکل بجانب حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ درخواست قبول فرمالی اور قیامت کے روز موعود تک کے لیے اس کو یہ مہلت دے دی گئی۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (۳۹-۴۰)

'اغوا' کے معنی گمراہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ ابلیس آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کے معاملے میں اپنے آپ کو بجانب حق خیال کرتا تھا اس وجہ سے اس نے نہایت گستاخانہ انداز میں فعل 'اغوا' کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا۔ مطلب یہ کہ اگر میں اس حکم کی عدم تعمیل کے باعث گمراہ ٹھہرا تو اس میں میرا قصور نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہی ایسا تھا کہ میں اس کی تعمیل نہیں کر سکتا تھا اس وجہ سے اگر میں اس کے سبب سے گمراہ ہوا تو اس پر تو ہی نے مجھے مجبور کیا۔

شیطان کی کوششوں کا خاص ہدف

'لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ' یعنی میں دنیا اور اس کی مرغوبات کو انسان کی نگاہوں میں کھباؤں گا اور وہ ان کی طمع اور محبت میں اس طرح پھنس جائے گا کہ نہ اسے یہ یاد رہے گا کہ وہ مسجود ملائک ہے، نہ اس کو کچھ آخرت کا ہوش رہے گا اور نہ وہ تیری توحید پر قائم رہے گا۔

'وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ' یعنی ان کو توحید کی سیدھی راہ سے ہٹا کر شرک کی وادیوں میں بھٹکا دوں گا۔ ابلیس کا یہ قول سورہ اعراف آیت ۱۶-۱۷ میں یوں نقل ہوا ہے۔ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (وہ بولا کہ چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا اس وجہ سے میں تیری سیدھی راہ پر ان کی گھات میں بیٹھوں گا، پھر ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے اور ان کے دہنے اور ان کے بائیں سے ان پر حملہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکرگزار نہ پائے گا) اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے اغوا کا خاص ہدف توحید ہے۔ اس کی ساری فتنہ آرائیاں اس واحد غرض کے لیے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں آدمؑ کی اولاد کو خدا تک پہنچانے والی سیدھی راہ سے بھٹکا کر شرک کی گمراہی میں پھنسا دے۔

'اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ' یعنی میری ان فتنہ سامانیوں سے تیرے بندوں میں سے اگر کچھ خوش قسمت بچ رہیں گے تو وہی بچ رہیں گے جن کو تو نے اپنی توحید اور یاد آخرت پر قائم رہنے کے لیے خاص کر لیا ہو۔ باقی سب میرے فتراک ضلالت کے نخچیر ہو کے رہیں گے۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ (۴۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ توحید کا راستہ، جس سے بنی آدم کو گمراہ کرنے کی تو دھمکی دے رہا ہے، کوئی کج پیچ والا راستہ نہیں ہے بلکہ یہ مجھ تک پہنچا دینے والی نہایت سیدھی

اور ہمارا راہ ہے۔ میرے جو بندے مجھ تک پہنچنا چاہیں گے اگر وہ اس راہ کو اختیار کریں گے تو یہ راہ خود بخود ان کو میرے آستانے پر لا ڈالے گی، اس میں کج روی اور گمراہی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ صرف شامت زدہ ہی ہوں گے جو اس سیدھی راہ کو چھوڑ کر کوئی کج پیچ والی راہ اختیار کریں گے۔

یہاں 'صراط' کے بعد 'علیٰ' جو آیا ہے یہ عربی زبان کے مخصوص اسلوب کے مطابق ہے۔ عربی زبان میں کسی سیدھے راستہ کی تعریف کے لیے یہ اسلوب بیان موجود ہے کہ یہ راستہ ایسا سیدھا ہے کہ راہرو کو خود منزل پر لا ڈالتا ہے۔ کلام عرب کے شواہد نقل کرنے میں غیر ضروری طوالت ہوگی اس وجہ سے ہم صرف قرآن کے بعض نظائر پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ سورۂ ہود میں ہے۔

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ	میں نے اللہ پر، جو میرا بھی خداوند ہے اور تمھارا بھی،
دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی	بھروسہ کیا۔ ہر جاندار کی پیشانی اس کی گرفت میں ہے۔
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۵۶ - ھود)	بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

"بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے" یعنی اس کو پانے اور اس تک پہنچنے کے لیے مجھے بہت سی کج پیچ والی وادیاں قطع نہیں کرنی ہیں، اس کے پانے اور اس تک پہنچنے کے لیے یہ کافی ہے کہ میں توحید کی شاہراہ پر قائم و استوار اور اس کی بندگی میں سرگرم رہوں اور اس پر بھروسہ رکھوں کہ وہ ہر مشکل میں میری مدد فرمائے۔

اسی طرح سورہ نحل آیت ۹ میں ہے۔

وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْھَا جَآئِرٌ وَ	اور اللہ تک پہنچانے والی سیدھی راہ ہے اور بعض راہیں
لَوْ شَآءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ ہ	بالکل کج ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر کر دیتا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (۴۲)

ابلیس کی مہلت کی حد

'سلطٰن' کے معنی اختیار و اقتدار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس پر یہ بھی واضح فرما دیا کہ تجھے مہلت جو کچھ مل رہی ہے وہ صرف اس بات کی مل رہی ہے کہ تو لوگوں کو اپنی راہ پر چلنے کی ترغیب دے سکے اور ان کو بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرے۔ اس مہلت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تجھے یہ اختیار مل گیا ہے کہ تو جس کو چاہے گمراہی کے راستہ پر ڈال ہی دے۔ تیرا زور بس انھی پر چلے گا جو تیری پیروی کرنا چاہیں گے اور گمراہی کو پسند کریں گے۔ میرے ان بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا جو تیرے فتنوں سے محفوظ اور تیری تمام ترغیبات کے علی الرغم میری بتائی ہوئی سیدھی راہ پر گامزن رہیں گے۔

وَاِنَّ جَھَنَّمَ لَمَوْعِدُھُمْ اَجْمَعِیْنَ ہ لَھَا سَبْعَۃُ اَبْوَابٍ ط لِکُلِّ بَابٍ مِّنْھُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (۴۳ - ۴۴)

یہ ان لوگوں کا انجام بتایا گیا ہے جو شیطان کی پیروی کریں گے۔ فرمایا کہ ایسے سارے لوگ جو میری صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ابلیس کی راہ اختیار کریں گے، خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے اور خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، ان سب کا ٹھکانا جہنم ہوگی۔ ان کو جس عذاب کی آج خبر دی جا رہی ہے اس سے

وہ دوچار ہوں گے۔ لفظ 'اَجْمَعِیْنَ' کے زور کو سمجھنے کے لیے ابلیس کے قول 'لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ' پر نظر رہے۔ ابلیس نے بڑے طنطنہ کے ساتھ دعویٰ کیا کہ 'میں سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا'۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب بھی بھرپور ملا کہ اگر تو سب کو گمراہ کر کے چھوڑے گا تو میں بھی ان سب کو جہنم کے حوالہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔

جہنم کی راہ پر ڈالنے والے مہلکات

'لَھَا سَبْعَۃُ اَبْوَابٍ' یہ جہنم کی وسعت کی تعبیر ہے اور اگر غور کیجیے تو اس میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ وہ مہلکات جو انسان کو تباہ کرنے والے اور اس کو جہنم کی راہ پر ڈالنے والے ہیں اپنی اصل کے اعتبار سے سات ہیں۔ شیطان انہی میں سے کسی ایک میں یا بالآخر ان سب ہی میں مبتلا کر کے انسان کو جہنم کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

نظم کلام کے پہلو سے آیت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اتنی بے شمار و بے نہایت مخلوق کو سزا دینے کے لیے ایسی وسیع جہنم کہاں سے مہیا کی جائے گی جو سب کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ خدا نے ایسے مجرموں کو سزا دینے کے لیے بڑی وسیع جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں سات پھاٹک ہوں گے اور اس کے ہر پھاٹک سے جہنمیوں کے گروہ الگ الگ داخل ہوں گے۔

'جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ' کے الفاظ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جہنم کے مختلف دروازوں سے داخل ہونے والوں کے درمیان ایک خاص نوعیت کی درجہ بندی ہوگی۔ اس درجہ بندی کی بنیاد کس چیز پر ہوگی، اس باب میں کوئی قطعی بات کہنا، جب کہ خود قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے، مشکل ہے۔ لیکن ہمارا ذہن بار بار اس طرف جاتا ہے کہ قرآن نے جن چیزوں کا اصولی مہلکات کی حیثیت سے ذکر کیا ہے وہ اگر شمار کی جائیں تو وہ سات عنوانات کے تحت آتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ شرک

۲۔ قطع رحم

۳۔ قتل

۴۔ زنا

۵۔ جھوٹی شہادت

۶۔ کمزوروں پر ظلم

۷۔ بغی

ان میں سے ہر ایک کے تحت طویل تفصیلات ہیں جن کے ذکر کا یہ محل نہیں ہے۔ ان پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورۂ بنی اسرائیل میں آیات ۲۲-۳۸ کے تحت آئے گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ہ اُدْخُلُوْھَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ہ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ہ لَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَا نَصَبٌ وَّمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ (۴۵-۴۸)

خدا ترسوں کا انجامِ نیک

اہل دوزخ کا انجام بیان کرنے کے بعد اب یہ ان لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے جو خدا سے ڈرنے والے اور اس کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں۔ فرمایا کہ وہ باغوں اور چشموں کے درمیان ابدی زندگی کے عیش و آرام میں ہوں گے۔ ان کے لیے خدا کی طرف سے یہ بشارت ہوگی کہ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ اب ہر قسم کے فکر و اندیشہ سے بالکل بے خوف اور نچنت ہو کر اس میں رہو اور اپنے رب کی ابدی نعمتوں سے متمتع ہو۔ ان کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہوں گے اس وجہ سے وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف رخ کیے ہوئے آمنے سامنے جنت کے تختوں پر فروکش ہوں گے۔ جن لوگوں کے اندر نفسانی کدورتیں ہوتی ہیں اگر وہ کسی مجلس میں مجتمع ہوتے بھی ہیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیر کر بیٹھتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرنے والوں میں اول تو نفسانی کدورتیں ہوتی ہی نہیں اور اگر تاویل و اجتہاد، رائے و قیاس اور رجحان و ذوق کے کسی اختلاف کے باعث ان کے اندر کوئی شکر رنجی ہوتی بھی ہے تو کشف حقیقت کے بعد وہ بھی دور ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کے اثرات سے بھی ان کے دلوں کو پاک کر دے گا اور وہ باہم بالکل شیر و شکر ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جائیں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ بہتر سے بہتر عیش و آرام کی زندگی بھی کسی کو حاصل ہو لیکن اس میں تجدد و تنوع نہ ہو تو آدمی بجھ کے رہ جاتا ہے۔ جنت میں اہل جنت کو اس صورت حال سے سابقہ پیش نہیں آئے گا۔ اس میں ابدی عیش و آرام کی زندگی بھی ہوگی اور ہر لحہ خدا کی نعمتوں میں ایسی گو ناگونی و بوقلمونی ہوگی کہ اہل جنت کی طبیعت کبھی اس سے اچاٹ نہیں ہوگی۔

خلود کی بشارت

وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ یہ خلود کی بشارت ہے اور یہ سب سے بڑی بشارت ہے۔ بہتر سے بہتر عیش و آرام کی زندگی بھی حاصل ہو لیکن اس کے ساتھ یہ کھٹکا لگا ہوا ہو کہ یہ عارضی یا فانی ہے تو سارا عیش کرکرا ہو کے رہ جاتا ہے۔ اہل جنت اس کھٹکے سے بالکل محفوظ ہوں گے۔ انھیں عیش و آرام کی جو زندگی حاصل ہوگی اس سے وہ کبھی محروم نہیں کیے جائیں گے۔

۶- آگے کا مضمون ——— آیات ۴۹-۷۹

قریش کے مغرورں کو تنبیہ

آگے پہلے تو ایک مختصر تمہید ہے جس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خدا کی ڈھیل سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ وہ بڑا غفور و رحیم بھی ہے اور بڑا منتقم و قہار بھی۔ پھر قریش کے ان مغروروں کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتوں کو دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے، متنبہ کیا گیا ہے کہ فرشتوں کا آنا کوئی آسان بازی نہیں ہے۔ وہ جب آتے ہیں تو کسی مہم ہی پر آتے ہیں۔ اس حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں واضح کرنے کے لیے قوم لوط کی سرگزشت سنائی گئی ہے جن کی بستیوں پر سے قریش کو اپنے تجارتی سفروں میں آئے دن گزرنے کے مواقع ملتے تھے۔ اس سرگزشت کو سنانے سے مقصود قریش کو آگاہ کرنا ہے کہ اگر فرشتوں کو دیکھنے کا ارمان رکھتے ہو تو اس انجام سے دوچار ہونے کے لیے بھی تیار رہو جو قوم لوط کا ہوا ——— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت کیجیے۔

آيات ٤٩-٧٧

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ

الْاَلِيْمُ ﴿٥١﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ وقف لازم

فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ

فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا

خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ

اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ ع ١٦

اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ

يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا

حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۗءِ

مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَاۗءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ

اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمۂ آیات ۴۹-۷۷

میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ بے شک میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا ہی دردناک ہے۔ اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں سے متعلق بھی آگاہ کر دو۔ جب وہ اس کے پاس آئے تو انھوں نے سلام کہا۔ اس نے کہا ہم تو آپ لوگوں سے اندیشہ ناک ہیں۔ وہ بولے کہ آپ کوئی اندیشہ نہ کریں، ہم آپ کو ایک ذی علم فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔ وہ بولا کہ کیا جب کہ مجھ پر بڑھاپا آ چکا آپ لوگوں نے یہ بشارت دی تو یہ کس بل پر بشارت دے رہے ہیں۔ انھوں نے کہا ہم نے آپ کو ایک امر واقعی کی بشارت دی ہے تو آپ نا امید ہونے والوں میں سے نہ ہوں۔ اس نے کہا کہ اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا اور کون نا امید ہو سکتا ہے۔ ۴۹-۵۶

اس نے پوچھا اے فرستادو! آپ لوگوں کے سامنے مہم کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ بس آل لوط اس سے مستثنیٰ ہیں، ہم ان سب کو بچا لیں گے بجز اس کی بیوی کے۔ اس کو ہم نے تاک رکھا ہے وہ بے شک پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی۔ ۵۷-۶۰

تو فرستادے جب آلِ لوط کے پاس پہنچے اس نے کہا آپ لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہم تمھارے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے باب میں یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے۔ اور ہم تمھارے پاس ایک شدنی لے کر آئے ہیں اور ہم بالکل ٹھیک بات کہہ رہے ہیں تو تم راتوں رات اپنے اہل و عیال کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور تم ان کے پیچھے پیچھے چلیو

اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کے بھی نہ دیکھے اور وہیں جاؤ جہاں کے لیے تمھیں حکم ہے اور ہم نے اپنے اس فیصلہ سے اس کو آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کٹ کے رہے گی۔ ۶۱-۶۶

اور شہر والے خوش خوش آ پہنچے۔ اس نے کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں تو تم لوگ مجھے رسوا نہ کرو، اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ وہ بولے کہ کیا ہم نے تم کو دوسروں کی آمد و شد سے روکا نہیں تھا۔ اس نے کہا اگر تم کچھ کرنے ہی پر تلے ہوئے ہو تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔ تیری جان کی قسم یہ لوگ اپنی سرمستی میں اندھے ہوئے ہیں۔ تو دن نکلتے ہی ان کو ہماری ڈانٹ نے آ پکڑا اور ہم نے اس سرزمین کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور ان پر سنگِ گل کی بارش کر دی۔ بے شک اس سرگزشت میں بصیرت حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور یہ بستی ایک شاہراہ عام پر ہے۔ بے شک اس سرگزشت کے اندر اہلِ ایمان کے لیے بڑی نشانی ہے۔ ۶۷-۷۷

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (۴۹-۵۰)

اللہ تعالیٰ سے متعلق صحیح تصور

یہ آیات اللہ تعالیٰ سے متعلق صحیح تصور کی وضاحت کرتی ہیں کہ اس کی ڈھیل سے کسی کو اس مغالطے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ نیک اور بد دونوں اس کی نظر میں یکساں ہیں۔ وہ بڑا مہربان بھی ہے اور بڑا ہی منتقم اور قہار بھی۔ جو لوگ اس کی سیدھی راہ پر چلتے ہیں ان کے صبر کی آزمائش کے لیے ان کو امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے لیکن بالآخر وہی لوگ کامیاب و بامراد ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ اس کی راہ سے انحراف اختیار کرتے ہیں اگرچہ کچھ عرصہ کے لیے ان کو ڈھیل ملتی ہے تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے لیکن بالآخر ان کو ان کے اس انحراف کی سزا مل کے رہتی ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ (۵۱-۵۳)

تاریخ کی ایک شہادت

مذکورہ بالا حقیقت کی تائید میں یہ تاریخ کی ایک شہادت پیش کی گئی ہے کہ جو فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس ایک ذی علم فرزند کی بشارت لے کر آئے وہی فرشتے قوم لوط کے لیے صاعقہ عذاب لے کر آئے۔

'قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ' فرشتوں سے حضرت ابراہیم کا یہ ارشاد اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ فرشتوں کا یوں علانیہ آنا کسی مہم ہی کے لیے ہو سکتا ہے اس وجہ سے ان کی اس آمد سے ان کو اندیشہ ہوا اور انھوں نے اپنے اندیشے کا ان کے سامنے اظہار بھی کر دیا۔ قریب ہی قوم لوط موجود تھی اور اس کا اخلاقی فساد اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا اس وجہ سے فرشتوں کو دیکھ کر حضرت ابراہیم نے یہ محسوس فرما لیا ہوگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم لوط کی شامت اب آگئی ہے اور یہ فرشتے ان کی اسی شامت کا پیش خیمہ ہیں۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو اطمینان دلایا کہ آپ اپنے باب میں کسی بات کا اندیشہ نہ کریں، جہاں تک آپ کا تعلق ہے ہم آپ کے لیے تو ایک ذی علم فرزند کی بشارت لے کر آئے ہیں۔ فرزند کے لیے 'عَلِیْم' کی صفت کا حوالہ دے کر فرشتوں نے گویا ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی کر دیا کہ وہ فرزند صرف فرزند ہی نہیں ہوگا بلکہ علم نبوت سے بھی سرفراز ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس چیز نے اس بشارت کی قدر و قیمت بہت بڑھا دی۔ بیٹے کے لیے بڑی سے بڑی چیز جس کی حضرت ابراہیم تمنا کر سکتے تھے وہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ نبی ہو۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ (۵۴)

حضرت ابراہیم کا حسنِ طلب

حضرت ابراہیم ایک ذی علم فرزند کی بشارت سن کر جس قدر خوش ہوئے ہوں گے وہ ظاہر ہے لیکن ظاہری حالات کے اعتبار سے اس بشارت کا ظہور میں آنا چونکہ نہایت مستبعد تھا اس وجہ سے آپ نے چاہا کہ اس کی مزید تصدیق کرا لیں چنانچہ انھوں نے نہایت خوب صورت پیرایہ میں فرمایا کہ کیا یہ بشارت آپ لوگ مجھے اس وقت دے رہے ہیں جب کہ مجھ پر بڑھاپا آچکا ہے تو کس بل پر یہ بشارت دے رہے ہیں؟ مطلب یہ کہ اگر یہ بشارت من جانب اللہ ہے تو اس کی تصریح ہو جائے۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ (۵۵)

'حق' کے معنی امر واقعی اور ہو کے رہنے والی بات کے ہیں۔

فرشتوں کی اطمینان دہانی

فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو اطمینان دلایا کہ آپ ظاہری حالات کی نامساعدت سے بددل اور مایوس نہ ہوں، ہم نے آپ کو جو بشارت دی ہے ایک امر واقعی کی بشارت دی ہے اور حالات ظاہری خواہ کتنے ہی ناموافق و نامساعد ہوں لیکن یہ بات ہو کے رہے گی۔ فرشتوں کے اس جواب میں یہ بات مضمر ہے کہ یہ بشارت من جانب اللہ ہے اور جو بات من جانب اللہ ہے اس میں حالات کی مساعدت و نامساعدت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (۵۶)

حضرت ابراہیم کی شکر گزاری

حضرت ابراہیم کو جب یہ اطمینان ہو گیا کہ یہ بشارت من جانب اللہ ہی ہے تو بے ساختہ ان کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلا جس سے ان کا وہ جذبۂ شکر و سپاس بھی ظاہر ہو رہا ہے جو اس بشارت کے باب میں اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد ان کے اندر پیدا ہوا اور یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے جو سوال انھوں نے کیا

وہ خدا کے فضل و رحمت سے مایوسی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ محض ظاہری اسباب کی ناسازگاری کی بنا پر تھا۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی انھوں نے ظاہر فرما دی کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی جو لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں وہ ایمان سے محروم اور گمراہ ہوتے ہیں۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ (۵۷)

لفظ 'خطب' کا غالب استعمال کسی اہم معاملہ اور کسی امر عظیم کے لیے ہوتا ہے۔

نزولِ ملائکہ کے سبب سے قوم لوط کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ کا اندیشہ

حضرت ابراہیمؑ یہ بشارت سن کر اپنے معاملے میں تو مطمئن ہو گئے لیکن ان کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوئی کہ محض ایک فرزند کی ولادت کی خوش خبری پہنچانے کے لیے تو اس طرح فرشتوں کی ایک پوری جماعت کے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کا اس صورت میں آنا تو ضرور کسی اہم مقصد ہی کے لیے ہو سکتا ہے۔ پھر قریب ہی قوم لوط کا اخلاقی فساد اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا اور ان کے حالات سے حضرت ابراہیمؑ بے خبر نہیں تھے اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں یہ خیال بھی گزرا ہو کہ ہو نہ ہو یہ بجلی اسی خرمن فساد پر گرنے والی ہے۔ چنانچہ انھوں نے فرشتوں سے یہ سوال کر ہی دیا کہ فرزند کی ولادت کی خوش خبری تو میں نے سن لی، اب یہ بتائیے کہ اس وقت آپ لوگ کس مہم پر مامور کر کے بھیجے گئے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ (۵۸-۶۰)

فرشتوں کا جواب

فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم مجرموں کی ایک قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، اس اسلوب بیان سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

ایک تو اس سے فرشتوں کے اس غصہ و غضب کا اظہار ہو رہا ہے جو ان کو قوم لوط پر تھا۔ چنانچہ انھوں نے بجائے یہ کہنے کے کہ ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے یہ کہا کہ ہم مجرموں کی ایک قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے اندر اس قوم کے خلاف اتنی شدید نفرت تھی کہ ان کو اس کا نام لینا بھی گوارا نہیں ہوا۔

دوسری اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ کسی قوم پر اللہ کا فیصلہ کن عذاب اس وقت آیا کرتا ہے جب آوے کا آوا ہی بگڑ جاتا ہے اور اس پر اخلاقی فساد اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ ان کے اندر بھلے آدمی یا تو سرے سے رہ ہی نہیں جاتے یا کچھ افراد ہوتے بھی ہیں تو اس فاسد ماحول کے اندر ان کی زندگی اجیرن ہو کے رہ جاتی ہے۔

'اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ' لفظ 'آل' کے اندر چونکہ اتباع بھی شامل ہوتے ہیں اس وجہ سے بعید نہیں کہ کچھ لوگ حضرت لوطؑ پر ایمان بھی لائے ہوں۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کے سامنے حضرت لوطؑ اور ان کے اتباع کے باب میں یہ تصریح اس لیے ضروری سمجھی کہ قوم لوط کے لیے عذاب کا فیصلہ سن کر قدرتی طور پر ان کے دل میں یہ تشویش پیدا ہوئی ہوگی کہ لوطؑ اور ان کے آل و اتباع کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ فرشتوں نے ان کی یہ تشویش دور کرنے کے لیے بتا دیا کہ ہم ان سب کو اس عذاب سے بچا لیں گے۔

قانونِ الٰہی بے لاگ ہوتا ہے

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۔ فرشتوں نے اس نجات سے صرف حضرت لوطؑ کی بیوی کو مستثنیٰ رکھا ۔ اس کی بابت فرمایا کہ اس کو ہم نے تاک رکھا ہے کہ وہ مبتلائے عذاب ہونے والوں کے ساتھ ہی رہے گی اور اسی عذاب میں مبتلا ہوگی ۔ اس تصریح سے یہ حقیقت واضح ہوتی کہ خدا کا قانون بالکل بے لاگ ہوتا ہے ۔ یہاں تک کہ اس کی زد سے پیغمبر کی بیوی بھی محفوظ نہیں رہتی ۔ بلکہ لفظ قَدَّرْنَآ کے صحیح مفہوم کو پیش نظر رکھیے تو اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ پیغمبروں اور نیکوں سے قرابت رکھنے کے باوجود اگر کوئی شخص، خواہ مرد ہو یا عورت، بدی کی راہ اختیار کرے تو وہ خدا کے غضب کا دوسروں کے مقابل میں زیادہ سزاوار ٹھہرتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۙ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (۶۱-۶۲)

حضرت لوطؑ اور فرشتے

حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دے کر یہ فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے ۔ حضرت لوطؑ نے ان کو دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ لوگ اس علاقے کے تو ہیں نہیں تو آخر یہ کون لوگ ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کس غرض سے آئے ہیں؟ بالآخر انھوں نے فرمایا کہ آپ لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ لوگوں کو پہچان نہیں رہا ہوں، براہ کرم آپ لوگ اپنا تعارف کرائیے۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۙ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (۶۳-۶۴)

فرشتوں نے کہا ہم آدمی نہیں ہیں، جیسا کہ تم نے گمان کیا ہے بلکہ ہم وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس سے تم اپنی قوم کے لوگوں کو ڈراتے رہے ہو لیکن وہ برابر شک ہی میں پڑے رہے۔ 'حق' کے معنی یہاں، جیسا کہ آیت ۸ میں گزر چکا ہے، عذاب اور شدنی کے ہیں۔ یہ ظاہر کر دینے کے بعد کہ ہم عذاب لے کر آئے ہیں یہ ظاہر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ ہم فرشتے ہیں۔ 'وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ' بطور تنبیہ و توثیق ہے کہ ہمیں بشر سمجھ کر کسی غلط فہمی میں نہ پڑنا۔ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ شدنی ہے تو اب جو ہدایت ہم کر رہے ہیں اس پر بلا تاخیر و تامل عمل کرو۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ (۶۵)

یہ وہ ہدایات ہیں جو فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو اس موقع پر دیں۔

حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی ہدایات

پہلی ہدایت یہ تھی کہ راتوں رات یہاں سے اپنے اہل و عیال سمیت نکل کر وہاں چلے جائیے جہاں کے لیے آپ کو حکم دیا جا رہا ہے ۔ اس ہدایت کی وجہ، جیسا کہ آگے تصریح آ رہی ہے، یہ تھی کہ صبح کو اس بستی پر عذاب الٰہی آ دھمکنے والا تھا۔

دوسری ہدایت یہ تھی کہ آپ ان سب کے پیچھے پیچھے چلیے جس طرح راعی اپنے گلے کے پیچھے چلتا ہے کہ کوئی بھیڑ ریوڑ سے الگ رہ کر بھیڑیے کا شکار نہ ہو جائے۔

تیسری ہدایت یہ تھی کہ بستی سے نکلنے کے بعد تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کے بھی نہ دیکھے ۔ کسی جگہ سے نکلتے ہوئے اس کی طرف مڑ مڑ کے دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کے ساتھ انس اور لگاؤ ہے۔ یہ انس اور

لگاؤ عام حالات میں تو ایک فطری چیز ہے اور ایک فطری تقاضے کو روکا یا دبایا نہیں جا سکتا لیکن جس بستی کے لیے اتمام حجت کے بعد عذابِ الٰہی کا فیصلہ ہو چکا ہو اس سے نکلتے وقت اہل ایمان کو اس طرح دامن جھاڑ کے اٹھنا چاہیے کہ اس کے ساتھ دل کے لگاؤ کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب کبھی آپ کو معذب قوموں کی بستیوں پر سے گزرنے کا اتفاق پیش آتا تو آپ وہاں سے تیزی سے گزر جاتے اور دوسروں کو بھی اسی کی ہدایت فرماتے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (۶۶)

'قَضَیْنَا' کے بعد 'الیٰ' کا صلہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہاں 'اَبْلَغْنَا' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس بات کا فیصلہ کر کے اس کو آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۶۷)

'مَدِیْنَۃ' سے مراد یہاں قوم لوطؑ کی بستی سدوم ہے۔ سدوم کے گنڈوں اور بدمعاشوں کو جب پتہ چلا کہ حضرت لوطؑ کے پاس کچھ خوب رو مہمان آئے ہوئے ہیں تو وہ خوش خوش ان کے گھر پہنچے کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا ہے، آج جی بھر کے اپنے ارمان نکالیں گے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ (۶۸-۶۹)

حضرت لوطؑ کے گھر پر گنڈوں کا حملہ

حضرت لوطؑ نے جب دیکھا کہ گنڈوں نے ان کے گھر پر بلا بول دیا ہے، ان کی اور ان کے مہمانوں کی عزت و آبرو خطرے میں ہے تو نہایت مؤثر انداز میں ان کو اپنی عزت و آبرو کا بھی واسطہ دیا اور خوفِ خدا کا بھی حوالہ دیا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، ان کی عزت و آبرو کی حفاظت مجھ پر اخلاقاً فرض ہے، اگر ان پر تم نے کوئی دست درازی کی تو میں ان کی نگاہوں میں بالکل ذلیل ہو کر رہ جاؤں گا، یہ کہیں گے کہ اچھے کے گھر مہمان اترے کہ اس نے ہمیں گنڈوں اور بدمعاشوں کے حوالہ کر دیا۔ پھر ان کو خوفِ خدا بھی یاد دلایا کہ اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کی بے عزتی کر کے مجھے رسوا نہ کرو کہ میں کہیں منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاؤں ——— یہ اپیل، اگر مخاطبوں کے اندر اخلاقی حس کی کوئی رمق باقی ہوتی، نہایت مؤثر ہوتی اس لیے کہ مہمانوں کی عزت بُرے سے بُرے لوگوں کے اندر بھی ایک اعلیٰ صفت سمجھی گئی ہے لیکن جن کی اخلاقی حس بالکل مردہ ہو چکی ہو ان پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۷۰)

بدمعاشوں کی بہانہ سازی

بدمعاش سے بدمعاش لوگ بھی اپنی بدمعاشی کے لیے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ ان گنڈوں نے بھی اپنے اس اقدام کے لیے یہ سیاسی جواز پیدا کیا کہ تم باہر کے لوگوں سے ساز باز رکھتے ہو۔ باہر کے لوگ تمھارے پاس آتے ہیں اور تم ان سے ملتے جلتے ہو۔ تمھاری یہ سازش کسی نہ کسی دن ہمارے لیے خطرہ بن سکتی ہے اس وجہ سے ہم یہ دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں کہ تم مہمانوں کے پردے میں ہمارے لیے ایک دن کوئی مصیبت

لا کھڑی کرو۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (۷۱)

قوم کی اخلاقی حس بیدار کرنے کی آخری تدبیر

ان بدمعاشوں کی اخلاقی حس کو بیدار کرنے کے لیے یہ حضرت لوطؑ کا آخری حربہ تھا جو انھوں نے استعمال کیا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ یہ پاجی لوگ کسی طرح اپنی خباثت سے باز آنے والے نہیں ہیں تو فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو ان کے ساتھ کرو لیکن خدارا میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ سورۂ ہود آیت ۷۸ کے تحت ہم یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ یہ حضرت لوطؑ کی طرف سے کوئی پیشکش نہیں تھی بلکہ یہ اپنی قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے ان کی آخری تدبیر تھی۔ اگر ان لوگوں کے اندر اخلاقی حس کی کوئی رمق بھی ہوتی تو وہ سوچ سکتے تھے کہ ایک یہ شخص ہے جو اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے اپنی عزت تک خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہے اور ایک ہم ہیں کہ اس کی اور اس کے مہمانوں کی عزت کے درپے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جس طرح ایک اعلیٰ کردار کا آدمی دوسرے کی جان یا آبرو بچانے کے لیے اپنی جان اور اپنے وقار کو خطرے میں ڈال دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۷۲)

اتمام حجت اور عذاب

جب معاملہ اس حد کو پہنچ گیا کہ حضرت لوطؑ کا یہ آخری حربہ بھی ان بدمستوں پر کارگر نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت پیار کے انداز میں تسلی دی کہ تمھاری جان کی قسم یہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اب یہ راہ پر آنے والے لوگ نہیں ہیں تو تم ان کے پیچھے ہلکان نہ ہو۔ اب خدا کا عذاب ہی ان کا فیصلہ کرے گا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ (۷۳)

'صَیْحَۃ' کے معنی ڈانٹ کے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ عذابِ الٰہی ہے جو دن نکلتے ہی ان پر آدھمکا چونکہ یہ عذاب، جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے، باد تند کے ساتھ رعد و برق کی صورت میں آیا تھا اس وجہ سے اس کے لیے 'صَیْحَۃ' کا لفظ نہایت موزوں ہے۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ (۷۴)

عذاب کی نوعیت

یہ اس عذاب کی طرف اجمالی اشارہ ہے جو قوم لوط پر آیا۔ اس عذاب کی نوعیت پر ہمارے استاذ مولانا فراہیؒ نے اپنی تفسیر سورۂ ذاریات میں مفصل بحث فرمائی ہے۔ ہم اس کا ضروری حصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ مولاناؒ کی تفسیر عربی میں ہے ہم اس کا اردو ترجمہ دے رہے ہیں۔

"قوم لوط پر اللہ تعالیٰ نے غبار انگیز ہوا بھیجی جو سخت ہو کر بالآخر حاصب (کنکر پتھر برسانے والی تند ہوا) بن گئی اس سے اول تو ان کے اوپر کنکروں اور پتھروں کی بارش ہوئی پھر اس نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ اس کے زور سے

---

[1] قرآنی قسموں پر استاذ امام مولانا فراہیؒ کا رسالہ اقسام القرآن ملاحظہ فرمائیے۔

ان کے مکانات بھی الٹ گئے، چنانچہ انہیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا (ان میں سے بعض قوموں پر ہم نے کنکر پتھر برسانے والی آندھی بھیجی) نیز فرمایا۔ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ۔ پس ہم نے ان کی بستی کو تلپٹ کر دیا اور ان کے اوپر تہ بہ تہ سنگ گل کے پتھروں کی بارش کی) یعنی ایسی تند ہوا چلی کہ ان کے مکانات اور ان کی چھتیں سب زمین کے برابر ہو گئیں اور اوپر سے کنکریوں اور ریت نے ان کو ڈھانک لیا جیسا کہ فرمایا وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ (اور الٹی ہوئی بستیاں جن کو الٹ دیا اور پھر ان کو ڈھانک دیا جس چیز نے ڈھانک دیا)

تفسیر سورۂ ذاریات فراہیؒ

'سجیل' کی تحقیق

لفظ 'سِجِّيل' کی تحقیق مولانا فراہیؒ نے سورۂ فیل کی تفسیر میں یہ بیان فرمائی ہے۔

"'سجیل' دو فارسی لفظوں، سنگ (پتھر) اور گل (مٹی) سے معرب ہے۔ قرآن مجید نے دو طریقوں سے اس کی شرح کی ہے۔ ایک جگہ ہے وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ یعنی سجیل کے قسم کا کنکر۔ دوسری جگہ ہے حِجَارَةً مِّن طِينٍ۔ یہ لفظ چونکہ عربی زبان میں شامل ہو چکا تھا اس وجہ سے قرآن نے اس کو استعمال کیا۔"

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ۝ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ (۷۵-۷۷)

'تَوَسُّم' کے معنی بھانپنے تاڑنے اور کسی عبرت انگیز چیز سے درس عبرت حاصل کرنے کے ہیں۔

'سَبِيلٍ مُّقِيمٍ' چلتا راستہ، عام گزرگاہ۔

قریش کے لیے درس عبرت

قوم لوط کی سرگزشت سنانے کے بعد اب یہ پہلے کفار قریش کو توجہ دلائی کہ اگر وہ آنکھیں رکھتے ہیں تو ان معذب بستیوں سے درس عبرت حاصل کریں جو ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے چلتے راستہ پر واقع ہیں جن سے آئے دن ان کو گزرنا پڑتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ سدوم اور عمورہ کی بستیاں حجاز اور شام کے تجارتی راستہ پر واقع تھیں اور یہ راستہ دونوں ملکوں کے تجارتی قافلوں کی عام گزرگاہ تھا۔

پھر خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو توجہ دلائی کہ اس سرگزشت میں ان کے لیے بھی بہت بڑی نشانی ہے کہ اہل حق کو اگرچہ امتحانات پیش آتے ہیں لیکن بالآخر وہی خدا کی رحمت کے سزاوار ٹھہرتے ہیں اور ان کے دشمن پامال ہو کے رہتے ہیں۔

۱۰۔ آگے کا مضمون ____ آیات ۷۸-۹۹

آگے رسولوں کی تکذیب کرنے والی بعض دوسری قوموں کا اجمالی تذکرہ اور ان کی اس تکذیب کے انجام کا بیان ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تم اپنی دعوت حق پر جمے رہو۔ اگر تمہاری قوم کے لوگوں نے بھی اپنی پیش رو قوموں ہی کی تقلید کی تو ان کا بھی وہی انجام ہونا ہے جو ان کا ہوا اور تم ان کے رویہ سے

بدول نہ ہو بلکہ خوبصورتی سے درگزر کرو۔ انجام کار کی کامیابی تمہارا اور تمہارے ساتھیوں ہی کا حصہ ہے——
آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۷۸-۹۹ وقف لازم

وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ؑ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ؕ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ إِنِّيْٓ أَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ؗ كَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

الربع

ترجمہ آیات ۸۰ - ۹۹

اور بے شک بن والے بھی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے تو ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور یہ دونوں ہی کھلی شاہراہ پر واقع ہیں؛ اور حجر والوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے روگرداں ہی رہے اور وہ پہاڑوں کو تراش کر چین سے گھر بناتے تھے تو ان کو صبح تڑکے ہماری ڈانٹ نے آ پکڑا تو جو کچھ وہ کرتے رہے تھے ان کے کچھ کام نہ آیا۔ ۸۰ - ۸۴

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے غایت کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور بلاشبہ قیامت شدنی ہے تو ان سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کرو تمھارا رب بڑا ہی پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اور ہم نے تم کو سات مثانی اور قرآن عظیم عطا کیے۔ ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو جن چیزوں سے بہرہ مند کر رکھا ہے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو اور نہ ان کی حالت پر غم کرو اور اپنی شفقت کے بازو اہل ایمان پر جھکائے رکھو اور کہہ دو کہ میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح ہم نے ان تقسیم کر لینے والوں پر بھی اتارا تھا جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیے تو تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ان کے ان اعمال کی بازپرس کریں گے جو یہ کرتے رہے ہیں۔ تو جو کچھ تمھیں حکم ملا ہے اس کو آشکارا طور پر سنا دو اور مشرکوں سے اعراض کرو۔ ہم ان مذاق اڑانے والوں سے، جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود شریک کرتے ہیں، تمھاری طرف سے نمٹنے کے لیے کافی ہیں سو وہ عنقریب جان لیں گے۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے تمھارا دل تنگ ہوتا ہے تو تم اپنے رب کی اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے بنو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ امر یقینی تم پر آشکارا ہو جائے۔ ۸۵ - ۹۹

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ (۷۸)

'اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ' سے مراد — 'اَصْحٰبُ الایکۃ' سے مراد اصحاب مدین ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ 'ایکہ' کے معنی جھاڑی اور بن کے ہیں۔ مدین کے پاس ایک بہت بڑا بن بھی تھا اس وجہ سے یہ لوگ اس نام سے بھی معروف تھے۔ اس سورہ میں چونکہ قریش کو عذابِ الٰہی کے ان زمینی نشانات کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جن پر سے ان کو اپنے تجارتی سفروں میں برابر گزرنے کے مواقع ملتے تھے اس وجہ سے معذب قوموں کا ذکر مقامات اور ارضی نشانات کی نسبت کے ساتھ ہی آیا ہے۔

'ظٰلِمِیْنَ' سے یہاں ان کے شرک و کفر اور صراطِ مستقیم سے انحراف کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔ جو لوگ اس ظلم میں مبتلا ہوتے ہیں وہ خدا کے سب سے بڑے حق (توحید) سے بھی انکار کرتے ہیں اور خود اپنی جانوں پر بھی ظلم ڈھاتے ہیں اور بالآخر اس انجام سے دوچار ہوتے ہیں جو اس ظلم کی پاداش میں قدرت کی طرف سے ان کے لیے ظاہر ہوتا ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۷۹)

'اِنْتِقَام' سے مراد یہاں وہ پاداشِ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت کے بعد ان کے لیے ظاہر ہوئی۔ 'وَاِنَّهُمَا' میں مثنیٰ کی ضمیر سے اصحاب الایکہ کے ساتھ قومِ لوط کی بستی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ ان دونوں ہی بستیوں کے آثار و نشانات ڈھکے چھپے نہیں ہیں بلکہ ایک کھلی شاہراہ پر واقع ہیں جس سے اہلِ عرب کے قافلوں کو آئے دن گزرنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں 'اِمَامٍ مُّبِیْنٍ' کا مفہوم بالکل وہی ہے جو اوپر 'سَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ' کا بیان ہو چکا ہے۔ کھلی شاہراہ، عام گزرگاہ، چلتا راستہ۔ راستہ چونکہ رہنما ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے 'امام' کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ (۸۰)

'اَصْحٰبُ الْحِجْرِ' سے مراد — 'حِجْر' شمالی عرب اور شام کے درمیانی علاقہ کو کہتے ہیں۔ یہ علاقہ قوم ثمود کا مسکن تھا جن کے اندر حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ اوپر ہم یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورہ میں قریش کو معذب اقوام کے ان آثار و نشانات کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جن پر سے ان کو برابر گزرنے کے مواقع ملتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے قوم ثمود کا ذکر بھی ان کے مسکن کی نسبت کے ساتھ ہوا، سرزمین لوط، سرزمین شعیبؑ اور علاقۂ حجر یہ تینوں خطے باہم متصل ہیں اور عرب قافلوں کی یہ عام گزرگاہ تھے۔

ایک سوال اور اس کا جواب — ممکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ قوم ثمود نے تکذیب تو صرف حضرت صالح علیہ السلام کی کی تھی تو لفظ 'مُرْسَلِیْنَ' جمع کیوں استعمال ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ان کے جرم کی شدت اور

سنلینی ظاہر ہو رہی ہے۔ خدا نے جتنے رسول بھیجے سب ہی کی دعوت ایک اور سب کا پیغام واحد رہا ہے۔ اس وجہ سے جس نے ان رسولوں میں سے کسی ایک کی بھی تکذیب کر دی اس نے گویا سب کی تکذیب کر دی۔

وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ (۸۱)

'آیات' سے مراد

'آیات' سے مراد عقلی و فطری دلائل بھی ہیں اور حسی معجزات بھی۔ حسی معجزات میں سے ناقۂ ثمود کا ذکر تو خود قرآن میں آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی ان کو معجزے دکھائے گئے ہوں لیکن قرآن نے ان کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے صرف ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اس لیے کہ یہاں مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ سارے دلائل و معجزات ان پر بے اثر ہی رہے۔

وَكَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ (۸۲)

قوم ثمود کی تعمیری سرگرمیاں

یعنی پیغمبر کے انذار سے کان بند کیے ہوئے بے خوف اور بے فکر ہو کر اپنی تعمیری سرگرمیوں میں منہمک رہے۔ ان کو سنگ تراشی کے فن میں کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر نہایت مستحکم اور شاندار مکانات بناتے تھے اور اپنے اس فن پر ان کو بڑا ناز اور فخر تھا۔ بھلا ان لوگوں کے دل پر پیغمبر کے اس ڈراوے کا کیا اثر پڑ سکتا تھا کہ یہی مستحکم اور شاندار مکانات اگر عذاب الٰہی آ گیا تو ان کے لیے قبروں کی صورت میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُصْبِحِیْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (۸۳-۸۴)

قوم ثمود کے عذاب کی نوعیت

یعنی بالآخر وہی ہوا جس سے پیغمبر نے ان کو ڈرایا تھا یعنی ایک دن عذاب الٰہی ان پر آ دھمکا اور اس نے اس طرح ان کی بستی کو تہ و بالا کر دیا کہ ان کے سارے کیے کرائے پر پانی پھر گیا، ان کی صناعی اور کاریگری اور ان کے سارے اسباب و وسائل میں سے کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آ سکی۔ ان پر نازل ہونے والے عذاب کو یہاں 'صَیْحَة' سے تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی ڈانٹ اور چیخ کے ہیں۔ اس کی وجہ، جیسا کہ ہم اوپر بھی اشارہ کر آئے ہیں، یہ ہے کہ ثمود پر اللہ تعالیٰ نے دھاریوں والے بادل بھیجے جن کے اندر ان کے لیے ہولناک کڑک اور بہرا کر دینے والی چیخ بھی تھی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ (۸۵)

خاتمۂ سورہ اور پیغمبر کو تسلی

اب یہاں سے براہ راست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب التفات ہے اور اس کی حیثیت خاتمۂ سورہ کی ہے جس نے سورہ کے تمام مطالب اپنے اندر سمیٹ لیے ہیں۔ آپ کو مخاطب کر کے صبر و استقامت اور مخالفوں کی مخالفت سے خوب صورتی کے ساتھ درگزر کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ تمہید کلام یوں ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو جو پیدا کیا تو یوں ہی بے مقصد، عبث اور بے غایت نہیں پیدا کیا ہے بلکہ غایت و مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ دنیا کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ لوگ اس میں جو چاہیں کرتے پھریں اور ان سے کوئی بازپرس نہ ہو۔ اس کے باغایت اور بامقصد ہونے کا یہ لازمی تقاضا ہے

کہ ایک ایسا دن آئے جس میں لوگوں سے باز پرس ہو۔ جنھوں نے اس میں نیک کام کیے ہوں وہ اپنی نیکیوں کا صلہ پائیں اور جنھوں نے اس کو ایک بازیچۂ اطفال سمجھ کر اس میں صرف اپنے ہوائے نفس کی پیروی کی ہو وہ اس کی سزا بھگتیں۔ چنانچہ قیامت شدنی ہے وہ آکے رہے گی اور اس دن یہ لوگ جو تمھاری مخالفت میں آج ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اپنا انجام دیکھ لیں گے تو ان کی مخالفتوں اور شرارتوں سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کرو۔ خوبصورتی کے ساتھ درگزر کا مطلب یہ ہے کہ نہ ان کی شرارتوں سے بددل اور مایوس ہو، نہ ان کی بیہودہ باتوں کا جواب دو اور نہ اپنے فرض دعوت و تبلیغ سے دست کش ہو بلکہ اپنے کام میں لگے رہو اور ان کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اگر یہ اپنی روش سے باز نہ آئے تو یہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے رسولوں کی تکذیب کرنے والی ان کی پیشرو قومیں ہو چکی ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (۸۶)

یہ دلیل ہے اس بات کی جو اوپر والی آیت میں ارشاد ہوئی ہے کہ قیامت آکے رہے گی۔ فرمایا کہ تمھارا خداوند خلاق بھی ہے اور علیم بھی۔ جس نے یہ ساری دنیا پیدا کی ہے اور برابر پیدا کر رہا ہے اس کے لیے لوگوں کو ان کے مرنے کے بعد از سر نو پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اور وہ علیم بھی ہے، ہر ایک کے ایک ایک قول و فعل سے اچھی طرح باخبر، تو اس کے لیے لوگوں کے اقوال و اعمال کا مواخذہ و محاسبہ بھی کچھ دشوار نہیں۔ یہ امر بھی یہاں ملحوظ رہے کہ جو خالق ہے لازم ہے کہ وہ اپنی خلق سے پوری طرح باخبر بھی ہو اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ یعنی کیا وہ جس نے سب کو پیدا کیا ان سے بے خبر ہو سکتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۸۷)

پیغمبر کے لیے سرمایۂ تسکین و تسلی

صبر و استقامت اور درگزر کی تلقین کے بعد یہ اس دولت گراں مایہ اور اس نعمت عظمیٰ کا حوالہ دیا گیا ہے جو تمام مشکلات و مصائب میں پیغمبر کے لیے سرمایۂ تسکین و تسلی اور آخر کار اس کی کامیابی و فتحمندی کی ضامن ہے۔ فرمایا کہ ہم نے تمھیں سات مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس روحانی و ملکوتی لشکر کے رکھتے ہوئے تم اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے کے لیے اب کسی اور چیز کے محتاج نہیں رہے جس خدا نے اس قرآن عظیم کی ذمہ داری تم پر ڈالی ہے اس کی طرف سے یہ عہد ہے کہ وہ تم کو ضرور فتحمند کرے گا۔ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ۔

سبع مثانی سے کیا مراد ہے؟

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ 'سبع مثانی' سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کے جواب میں سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے قرآن کی ابتدائی سات بڑی سورتیں مراد ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس کے اندر بسم اللہ سمیت سات آیتیں ہیں اور یہ نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے پورا قرآن مراد ہے۔

اقوال تو بعض اور بھی ہیں لیکن قابل ذکر یہی تین قول ہیں اور ان میں سے بھی زیادہ شہرت دوسرے قول کو حاصل ہوئی۔ پہلے قول کی تائید میں اس کے قائلوں کی طرف سے کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری۔ دوسرے قول کی تائید میں اس کے قائلوں کی طرف سے واحد دلیل جو دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سورہ نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔ اگرچہ اس امر واقعی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سورہ نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہے لیکن دو باتوں کے سبب سے اس قول پر دل نہیں جمتا۔

اول یہ کہ سورہ فاتحہ کی آیتیں سات اسی صورت میں بنتی ہیں جب بسم اللہ کو بھی اس کا ایک جزو تسلیم کیا جائے۔ بسم اللہ کا جزو فاتحہ ہونا ایک امر نزاعی ہے اور قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ بسم اللہ اس سورہ کے آغاز میں بھی اسی طرح ہے جس طرح دوسری سورتوں کے آغاز میں ہے۔ اس کے فاتحہ کے ایک جزو ہونے کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

دوسری یہ کہ بار بار دہرائے جانے کی دلیل اسی صورت میں دلیل بنتی ہے جب 'مثانی' کے معنی بار بار دہرائی جانے والی چیز کے ہوں۔ ظاہر ہے کہ 'مثانی' 'مثنیٰ' کی جمع ہے۔ 'مثنیٰ' بار بار دہرائی جانے والی چیز کو نہیں کہتے بلکہ اس چیز کو کہتے ہیں جو دو دو کر کے ہو۔ قرآن میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی یہی ہیں۔ مثلاً

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (نساء - ۳)	تو نکاح کرو اپنی پسندیدہ عورتوں میں سے دو دو، تین تین اور چار چار کر کے۔
اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا (سبا - ۴۶)	یہ کہ اٹھو اللہ کے لیے دو دو کر کے اور ایک ایک کر کے پھر غور کرو۔

تیسرے قول کو اگرچہ کچھ زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی لیکن دلائل کی روشنی میں یہ قول ہم کو زیادہ وزن دار معلوم ہوتا ہے۔

سب سے بڑی دلیل تو اس کے حق میں یہ ہے کہ قرآن میں خود یہ تصریح موجود ہے کہ پورا قرآن 'مثانی' ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (زمر - ۲۳)	اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے ایک متشابہ مثانی کتاب کی صورت میں۔

'متشابہ' سے مراد ظاہر ہے کہ اس کے تمام اجزا کا باہم ہم آہنگ اور ہم رنگ ہونا ہے۔ یعنی اس میں کہیں کوئی تضاد و تناقض نہیں پایا جاتا۔

رہا یہ سوال کہ اس کے 'مثانی' ہونے کا کیا مفہوم ہے تو اس کا صحیح جواب ہمارے نزدیک وہی ہے جس کی طرف ہم اس کتاب کے مقدمہ میں اشارہ کر آئے ہیں کہ قرآن کی تمام سورتیں جوڑا جوڑا ہیں۔ ہر سورہ اپنے ساتھ

اپنا ایک مثنیٰ بھی رکھتی ہے۔ ہم نے بڑی سورتوں میں سے بقرہ اور آلِ عمران کو اور چھوٹی سورتوں میں معوذتین کو اس کی مثال میں پیش کیا ہے اور اپنی اس کتاب میں سورتوں کی تفسیر کرتے ہوئے ہم اس حقیقت کو برابر واضح کرتے آ رہے ہیں۔

قرآن میں سورتوں کے سات گروپ

ہم نے مقدمہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ یہ بھی واضح کیا ہے کہ قرآن میں سورتوں کی ترتیب اس طرح ہے کہ ان کے الگ الگ سات گروپ یا سات مجموعے بن گئے ہیں۔ ہر گروپ ایک یا ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن گویا سات ابواب پر مشتمل ہے جن کے اندر سورتوں کی حیثیت فصلوں کی ہے۔ ان ابواب اور ان فصلوں میں مضامین مشترک بھی ہیں اور ہر باب، اور ہر فصل کا ایک خاص امتیازی پہلو بھی ہے جو ان کو ایک دوسرے سے ممیز کرتا ہے۔ سورۂ فاتحہ کی حیثیت پورے قرآن کے دیباچہ کی ہے جس میں اجمال کے ساتھ وہ تمام مطالب آ گئے ہیں جو پورے قرآن میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

اس روشنی میں زیرِ بحث آیت کی تاویل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے تمھیں سات مثانی کا مجموعہ یعنی قرآن عظیم دیا۔ گویا حرف 'من' اضافت کو ظاہر کر رہا ہے اور حرف 'و' تفسیر کے لیے ہے۔ یہ ساتوں مجموعے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے ساتھ خدائی لشکر ہیں جو تمام باطل نظریات کے پرخچے اڑا دینے کے لیے کافی ہیں۔

بعض احادیث میں یہ جو آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم قرار دیا تو اس کا بھی ایک خاص محل ہے۔ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی حیثیت پورے قرآن کے دیباچہ کی ہے اور اس میں وہ تمام مطالب بالاجمال سمٹ آئے ہیں جو پورے قرآن میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ گویا اس نگینہ کے اندر قرآن عظیم کا پورا شہرستانِ معانی بند ہے۔ اس پہلو سے یہ سبع مثانی بھی ہے اور قرآن عظیم بھی۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۸۸)

لفظ 'ازواج' کا مفہوم

لفظ 'ازواج' طبقات کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثلاً سورۂ واقعہ میں ہے 'وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً' (اور اس وقت تم تین طبقات میں تقسیم ہو گے)۔

قوم کے اغنیاء کو چھوڑ کر مومنین پر شفقت کا حکم

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا نے تمھیں قرآن کی یہ نعمت عظمیٰ دے رکھی ہے جو تمھاری کامیابی و فتح مندی کی ضامن ہے تو تمھیں ان لوگوں کی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے جو اپنے مال و اسباب کے غرور میں مست ہیں اور تمھاری بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

یہ حقیقت یہاں پیش نظر رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کے اغنیاء اور اربابِ ثروت و جاہ کی طرف خاص طور پر دعوت کے ابتدائی دور میں، جو توجہ ہوئی ہے تو اس کا سبب نعوذ باللہ یہ نہیں تھا کہ ان کی نگاہوں میں ان کے مال و متاع کی کوئی طمع یا وقعت تھی بلکہ اس کا سبب محض یہ تھا کہ اگر یہ زور و زر رکھنے والے

لوگ ایمان لائیں گے تو یہ اپنی دنیا اور عاقبت بھی سنواریں گے اور ان کا مال اور ان کا اثر دین کی تقویت اور ان کے زیر دستوں کے لیے دین کی راہ کھولنے کا بھی ذریعہ ہوگا۔ اسی جذبۂ خیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت کے ابتدائی دور میں قریش کے اکابر و اعیان کی طرف خاص توجہ رہی لیکن جب انھوں نے آنکھیں نہیں کھولیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ آپ ان سے صرف نظر کر کے اپنی ساری توجہ اور شفقت ان لوگوں پر مبذول فرمائیں جو اگرچہ دولت دنیا نہیں رکھتے لیکن قرآن عظیم پر ایمان کی نعمت ان کو حاصل ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اغنیاء کی ایمان سے محرومی پر بڑا غم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بھی روک دیا کہ ان لوگوں کی اس محرومی پر غم نہ کھاؤ۔ یہ شامت زدہ لوگ اسی کے سزاوار تھے کہ یہ قرآن پر ایمان کی نعمت سے محروم ہی رہیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ اب ان شامت زدہ لوگوں پر قہر الٰہی نازل ہونے میں دیر نہیں ہے تو جس طرح پرندہ کوئی خطرہ محسوس کرتے ہی اپنے بچوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپا لیتا ہے اسی طرح تم ان مومنین کو برابر اپنے دامن شفقت کے نیچے چھپائے رکھو۔

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ (۸۹)

یعنی تم ان مغروروں اور سرمستوں کو سنا دو کہ میں تو بس آنے والے عذاب اور خطرے سے ایک کھلا ہوا آگاہ کرنے والا ہوں سو میں نے اپنا فرض انجام دیا اور دے رہا ہوں۔ رہی یہ بات کہ تم نے میری بات سنی یا نہیں سنی تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں بلکہ خود تم پر ہے۔

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۝ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ (۹۰-۹۱)

یہود کے ہاتھوں تورات کے حصے بخرے

اس آیت کا تعلق اوپر کی آیت ۸۷ سے ہے یعنی پوری بات یوں ہے کہ ہم نے تمھیں سبع مثانی اور قرآن عظیم اسی طرح عطا کیا ہے جس طرح ان لوگوں پر اپنا کلام اتارا تھا جنھوں نے اس کے حصے بخرے کر کے اپنے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیے۔ یہ اشارہ یہود کی طرف ہے جنھوں نے حق کو چھپانے کے لیے اپنے قرآن یعنی تورات کی ترتیب بھی بدل ڈالی اور اس کو مختلف اجزا میں تقسیم کر کے اس کے بعض کو چھپاتے اور بعض کو ظاہر کرتے تھے۔ سورہ انعام آیت ۹۱ میں ان کی اس شرارت کا ذکر گزر چکا ہے۔ دوسرے آسمانی صحیفوں کے لیے لفظ قرآن کے استعمال کی نظیر خود قرآن میں موجود ہے ملاحظہ ہو سورۂ رعد کی آیت ۳۱۔

اس آیت میں ضمناً یہود کے اس اعتراض کا جواب بھی آ گیا کہ تورات کے بعد اب کسی نئے قرآن کی ضرورت کیا باقی رہی؟ جواب یہ ہے کہ اول تو وہ قرآن اپنی اصلی صورت میں باقی کہاں رہا جس پر ان کو ناز ہے، اس کے تو انھوں نے حصے بخرے کر ڈالے اور اگر وہ اپنی صحیح صورت میں باقی ہوتا تو خود اسی سے اس نئے قرآن کی ضرورت کا ثبوت بھی مل جاتا۔

'عضون' کا مفہوم

'عضون'، 'عضة' کی جمع ہے جس کے معنی فرقے، ٹکڑے اور اجزاء کے ہیں۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ o عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۹۲-۹۳)

یہ دونوں آیتیں یہود ہی سے متعلق ہیں۔ نہایت زوردار الفاظ میں قسم کے ساتھ ارشاد ہوا ہے کہ جنھوں نے کتمان حق اور اپنے اغراض و اہوا کے لیے کتاب الٰہی کے ساتھ یہ ظلم کیے ہیں ہم ان سے ان کی ان کارستانیوں کی بابت ایک دن ضرور باز پرس کریں گے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (۹۴)

اب، کلام پھر اپنے اصل سلسلہ سے مربوط ہو گیا ہے۔ حضورؐ کو تاکید کے ساتھ ہدایت کی جا رہی ہے کہ جو کچھ تمھیں حکم دیا جا رہا ہے بے کم و کاست، اور بے خوف و خطر اس کو اس کے مخاطبوں تک پہنچا دو اور تمھارے خلاف مشرکین جو بکواس کر رہے ہیں اس کا نوٹس نہ لو۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ o الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (۹۵-۹۶)

یعنی یہ مشرکین جو تمھارا مذاق اڑا رہے اور تم ان کو جو ڈراوے سناتے ہو ان پر ہنستے ہیں قرآن سے نمٹنے کے لیے تمھاری طرف سے ہم کافی ہیں۔ وہ عنقریب جان لیں گے کہ جو کچھ تم انھیں سنا رہے ہو اس کا ایک ایک حرف سچ ثابت ہوا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ o فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ o وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (۹۷-۹۹)

کفار کے طنز پر صبر و استقامت کی تلقین

حصول صبر کی تدبیر: نماز

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے طنز و استہزا پر صبر کی تلقین اور اس صبر کے حاصل کرنے کی تدبیر بتائی گئی ہے کہ حصول صبر و استقامت کے لیے اپنے رب کی تسبیح کرو، اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے ساتھ نماز کا اہتمام کرو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو تاآنکہ صبح یقین طلوع ہو جائے یعنی ہر وہ بات واقعہ ثابت ہو کے رہے جس کی تم لوگوں کو خبر دے رہے ہو۔

ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ اللہ لغزشوں کو معاف فرمائے اور اس کی صحیح باتوں سے پڑھنے والوں کو نفع پہنچے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔